حالات کا نیا رخ اور

علماء و دانشور طبقہ کی ذمہ داریاں

(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کیا گیا مفکر اسلامؒ کا ایک اہم اور تاریخی خطاب)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ناشر

علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن، علی گڑھ

حالات کا نیا رخ اور

علماء ودانشور طبقہ کی ذمہ داریاں

(علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مفکر اسلام کا ایک اہم اور تاریخی خطاب)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ناشر

علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن، علی گڑھ

جملہ حقوق بحق فاؤنڈیشن محفوظ

باراول فروری ۲۰۱۴ء

نام کتاب : حالات کا نیا رخ اور علماء ودانشور طبقہ کی ذمہ داریاں

مصنف : مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صفحات : ۲۴

باہتمام : فیض الاسلام ندوی

کمپوزنگ : عبدالرحمن

طباعت : انڈین پرنٹنگ پریس

قیمت :

ناشر

علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن، علی گڑھ

Email: alimiyan_nadwifoundation.rediffmail.com

www.nadwifoundation.org

عرض ناشر

حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ ایک مفکر تھے، تفکیر وتدبر کے ساتھ تقویٰ واخلاص اور جذبہ دعوت نے ان کے اندر ایک ایسی تڑپ پیدا کردی تھی کہ وہ چین سے بیٹھنا گوارہ نہ کرتے تھے، بلکہ وہ اپنی بات پہونچانے کے لئے مواقع کی تلاش میں رہا کرتے تھے، داعی ہونے کے سبب کبھی مایوسی کو قریب نہ آنے دیتے تھے اور مفکر ہونے کی وجہ سے کسی بھی ملی مسئلہ سے دامن نہ بچاتے تھے، پھر آپ کی صفت استغناء وبے لوثی نے آپ کو ایسی جرأت عطا کی تھی کہ صراحت کے ساتھ اپنی بات رکھنے سے کبھی نہ چوکتے تھے، یہ الگ بات کہ داعیانہ حکمت کے پیش نظر صراحت سے قبل مدعو ومخاطب کی خوبیوں کا ذکر کرتے اور پھر کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کرتے تھے۔

درحقیقت مفکر وہی ہے جس کو ایک مسئلہ دیگر مسائل سے غافل نہ کرسکے ایک غم دوسرے غموں سے مشغول نہ کردے، ایک شہر یا دوسرے شہروں یا تنظیم وتحریک اور دیگر جماعتوں سے بے اعتنائی کا عادی نہ بنائے، حضرت مولاناؒ مفکر تھے اسی لئے ان کی تفکیر کی عادت اور دعوت کے جذبہ کے سبب سب کو ملت کا جزء سمجھ کر اس کے ایک عضو وکارکن کی حیثیت سے کام میں لگا دینے کی فکر ان پر طاری رہتی تھی۔

حضرت مولاناؒ کے نزدیک معاشرے کی اصلاح اور اسکے فساد کی سب سے بڑی ذمہ داری معاشرے کے دانشور طبقہ پر عائد ہوتی ہے، موجودہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے خلاف انہوں نے اپنی آراء دیں، علم میں ثنویت کا انکار کیا، ان کی تحریروں میں جابجا یہ بات ملتی ہے کہ موجودہ فساد وبگاڑ کا اصل سبب یہ ہے کہ معاشرہ بہرحال اسلام کا قائل وطالب ہے لیکن جس طبقہ کے ہاتھ میں زمام اقتدار یا زمام تعلیم وغیرہ آتی ہے وہ دین سے دور ہے، صحیح اسلامی فکر سے عاری ہے، کیونکہ اس کی فکری وتعلیمی تربیت مغربی نظام تعلیم میں ہوئی ہے، اسی لئے مستقل آزاد فکری اور بے راہ روی کے ساتھ ٹکراؤ کی صورتحال پیدا ہوجاتی ہے، حضرت مولاناؒ کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے ہر چہار جانب رخ کیا اور ہر طبقہ کو اس کی ذمہ داری اسکے شاندار کارناموں کی تذکیر کے ساتھ یاد دلائی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مولانا کا متعدد بار آنا

ہوا، ایک مرتبہ تو آپ نے اسی عظیم دانشگاہ کو 'ملت کا امانت خانہ' قرار دیا اور کینیڈی ہال کی اس تقریر میں مولانا نے اس کو ملت کا قلب قرار دیا اور فرمایا کہ اگر یہ دل خراب ہو جائے تو پھر سارے اعمال خراب ہو جاتے ہیں اور اگر دل کا حال درست ہو تو تمام اعضاء اپنا کام صحیح کرتے ہیں۔

یہ رسالہ جو قارئین کے ہاتھ میں ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کی گئی حضرت مفکر اسلامؒ کی ایک تقریر ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ ان کو اللہ نے کیسی بصیرت وحکمت عطا کی تھی اور جذبۂ دعوت کس بلا کا تھا، مسلم یونیورسٹی کا مجمع اور مولاناؒ کی یہ مزاج شناس اور بصیرت افروز گفتگو ایک مخلص داعی، صاحب بصیرت مفکر اور حق شناس وحق گو مرد میدان کا ہی حصہ ہو سکتی ہے۔ ''علامہ ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن'' کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لئے باعث مسرت ہے کہ وہ ''معاصر افکار اور مولانا علی میاںؒ کا موقف۔ تقابلی مطالعہ'' کے عنوان پر علی گڑھ میں ایک عالمی سیمینار منعقد کر رہے ہیں اور اس مناسبت سے حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی بعض تحریروں کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں خدا کرے کہ اس تقریر میں تحلیل وتجزیہ کے بعد جو کمزور پہلو سامنے آتے ہیں ان سے اجتناب اور جو مفید مشورے دئے گئے ہیں ان پر عمل ہماری زندگیوں کا حصہ بن جائے اور اس طرح یہ کتابچہ باعث نجات وصدقہ جاریہ بن جائے

وماذلک علی اللہ بعزیز

ناچیز

محمد طارق ایوبی

مدیر ماہنامہ ندائے اعتدال

مرکز تحقیق وثقافت علی گڑھ
۲۸/۱/۲۰۱۴

Email: tariqnadwialig@yahoo.co.in
+91 9897776652
+91 9045794046

حالات کا نیا رخ اور علماء ودانشور طبقے کی ذمہ داریاں

ملک کا خطرناک رخ اور دانشور طبقہ کی ذمہ داری

حمد وصلوٰۃ کے بعد:

"فلو لا كان من القرون من قبلكم اولو بقية ينهون عن الفساد فى الارض إلا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما أترفوا فيه وكانوا مجرمين" (سورہ هود: ١١٦)

(جو نسلیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں، ان میں ایسے صاحب شعور کیوں نہ ہوئے، جو ملک میں بگاڑ پھیلنے سے روکتے؟ ہاں ایسے تھوڑے تھے جن کو ہم نے بچالیا اور جو ظالم تھے وہ عیش وآرام کے انھیں اسباب کے چکر میں پڑے رہے جو ان کے لیے مہیا کئے گئے تھے اور وہ مجرم تھے)۔

معزز اساتذہ وطلبہ!

میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے، اس آیت میں جو درد، جو جوش، جو حقیقت اور طاقت ہے، میں اقرار کرتا ہوں کہ اس کو ترجمہ میں منتقل نہیں کرسکتا، میں قرآن مجید کا طالب علم رہا ہوں اور عربی زبان میں بھی شُد بُد رکھتا ہوں، لیکن میں اعتراف

کرتا ہوں کہ قرآن مجید کی اس آیت کے اندر (درد کا لفظ استعمال کرنے سے میں ذرا ڈرتا ہوں کہ وہ خدا کا کلام ہے لیکن درد انگیزی کہنے میں کوئی وجہ نہیں) جو درد انگیزی ہے، دوسری زبان میں اس کا منتقل کرنا بہت مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے کی نسلوں میں ایسے اہل شعور کیوں نہیں رہے، جنھیں کچھ بچا کھچا احساس تھا، کچھ ان کے دل پر چوٹ تھی، انسانیت کا کچھ درد تھا، زمین میں جو فساد پھیل رہا تھا، جو تباہی مچ رہی تھی اس سے لوگوں کو منع کرتے، تھوڑے سے ان لوگوں کے علاوہ جو اس کام کے لئے کھڑے ہوئے جن کو ہم نے بچا لیا تھا، باقی تمام لوگ وقت کے دھارے میں بہہ گئے، عیش وعشرت کے جن وسائل کی کثرت تھی اور بگڑی ہوئی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے جو زریں مواقع حاصل تھے ان سے فائدہ اٹھانے لگے اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہے، آپ جانتے ہیں کہ بگڑی ہوئی صورت حال سے فائدہ اٹھانا زیادہ آسان ہوتا ہے، دوسرے کے گھر ویران کر کے اپنے گھر کی تعمیر، اور دوسروں کی لاشوں پر سے گزر کر اپنے مقاصد تک پہنچنے کے مواقع آسانی سے مہیا ہو جاتے ہیں۔ "واتبع الذین ظلموا ما اترفوا" جو ان کو سامان عیش وعشرت دیا گیا تھا وہ اس میں پھنسے رہ گئے اور وہ مجرم تھے۔

حضرات! انسان کے لئے بیماری کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے، صحت کا اعتدال سے ہٹ جانا اور بیماری کا شکار ہو جانا انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طرح سے زندگی کی علامت ہے، پتھر غلطی نہیں کر سکتا، درخت غلطی نہیں کر سکتا، انسان ہی غلطی کرتا ہے، اس لیے غلطی زیادہ پریشانی کی بات نہیں اور اس پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، انسانوں کی ایک بڑی جماعت کا کسی غلط راستہ پر پڑ جانا، اپنی سفلی خواہشات اور پست درجہ کے مقاصد کی تکمیل کے پیچھے دیوانہ ہو جانا، تاریخ انسانی کے لئے بھی اور تقدیر انسانی کے لئے بھی شدید تشویش کی بات نہیں ہے، اصل تشویش یہ ہے کہ بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کرنے، فساد و

انتشار پیدا کرنے والی طاقتوں سے آنکھیں ملانے والے اپنی سہولتوں، عزتوں (بعض اوقات حکومت واقتدار) کوخطرہ میں ڈال کر میدان میں اترنے والے نایاب ہوجائیں، اصل تشویش کی بات یہ ہے۔

انسان بارہا ایسی بدنیت، فساد انگیز وانتشار پسند طاقتوں، قیادتوں یا سازشوں کے شکار ہوگیا ہے، اور ایسا نظر آنے لگا ہے کہ انسانیت سکرات کے عالم میں ہے، وہ جلد دم توڑ دے گی، لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ایسے ہر موقع پر کچھ ایسے افراد میدان میں آگئے جنھوں نے زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حالات کا مقابلہ کیا، ان غلط رہنمائیوں اور قیادتوں کے مدمقابل بن کر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے جان کی بازی لگادی، انسانی تہذیب کا تسلسل جو ابھی تک قائم ہے، محض نسلی تسلسل نہیں، بلکہ انسانی خصوصیات کا تسلسل جو ہر دور میں رہا ہے، انسانی احساسات وجذبات، اعلیٰ مقاصد، اخلاقی تعلیمات اور ان کی بقاء وترقی کے لئے ہمت وجرأت اور قربانی کا جذبہ، جو اس وقت تک چلا آرہا ہے، یہ درحقیقت انہیں لوگوں کا رہین منت ہے جو بگڑے ہوئے حالات میں میدان میں آئے اور انھوں نے زمانہ کے چیلنج کو قبول کیا اور ان بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ لڑایا اور بعض اوقات زمانہ کی کلائی موڑ دی، انھیں لوگوں کی بدولت انسانیت زندہ ہے، ہر زمانہ کے ادیب اور ہر زمانہ کے اہل دل زمانہ کے بگاڑ کی شکایت کرتے چلے آئے ہیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بعد بھی انسانی خوبیوں کا سرمایہ، انسانی احساسات وجذبات اور نیک انسان موجود رہے، یہ اصل میں انہیں لوگوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، جو اس وقت اپنے مفادات سے آنکھیں بند کر کے میدان میں آگئے، انھوں نے اپنے لیے بھی، اپنے خاندان کے لیے بھی اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے بھی خطرہ مول لیا، زمانہ کا رخ موڑ دیا اور انسانیت کی کھیتی ان کی کوششوں اور قربانیوں کے پانی سے ہری ہوگئی۔

حقیقت میں انسانیت کی کھیتی ہر زمانہ میں کھاد چاہتی ہے، جس طرح فرٹیلائزر

(Fretilizers) زمین میں قوت نمو بڑھاتے ہیں، پیداوار کو طاقت بخشتے ہیں، اسی طرح انسانیت کی کھیتی کے لئے بھی کھاد کی ضرورت ہے، انسانیت کی کھیتی کے لئے کھاد "ذاتی مفادات" ہیں، اغراض و مفادات کی یہ کھاد جب اس کھیتی میں پڑتی ہے تو وہ کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، زمین اپنی پیداوار بڑھا دیتی ہے، اور انسانیت کی جھولی بھر جاتی ہے، انسانیت کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا ہو جاتی ہے، انسانوں میں زندہ رہنے کا استحقاق اور زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، زیادہ سے زیادہ وسائل کی فراہمی، سائنس و ٹکنالوجی کی ترقی، علم و فلسفہ ادب و شاعری، کوئی چیز بھی انسانیت کی بقاء کی ضمانت نہیں، انسانیت کی بقاء کی حقیقی ضمانت جری، دلیر، جانباز اور دردمند انسان ہیں، جو زخمی دل، اشکبار آنکھیں، سلگتے اور جلتے ہوئے دل و دماغ رکھتے ہیں، جو ناسازگار حالات کا سامنا کریں، چوٹ کو برداشت کریں اور تاریخ کے دھارے کو بدلنے کے لئے جان کی بازی لگا دیں، جب کبھی اس جنس کی کمی نظر آتی ہے تو پورا سماج، پورا معاشرہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے، خواہ دیکھنے میں آپ کو فربہی نظر آئے، جیسے ایک فربہ جسم کے اندر بیسیوں قسم کی بیماریاں پرورش پاتی ہیں، لیکن اس کی فربہی سب پر پردہ ڈالے رہتی ہے، دیکھنے والوں کو دھوکا ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ انسان بہت تندرست ہے، لیکن حقیقت میں وہ بیماریوں کا مجموعہ ہے۔

ایسا ہی سماج کا معاملہ ہے، سماج پر بعض مرتبہ غیر طبعی (Unnatural) اور غیر معتدل فربہی طاری ہو جاتی ہے، اس کے چہرہ پر خون چھلکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جیسے کہ اقبال نے کہا ہے ؂

کچھ اور چیز ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ آب و رنگ فقط آب و ناں کی ہے بیشی

یعنی پانی اور روٹی کی مقدار جسم میں زیادہ ہو گئی تو چہرہ پر تازگی اور رعنائی نظر آتی ہے، لیکن یہ جان پاک نہیں ہے، جان پاک تو کچھ اور ہی چیز ہے، سماج کی جان پاک اور سماج کی

اصل روح اس کے اندر ایثار کا مادہ ہے، اس کے اندر کی قوت برداشت ہے کہ اس کے افراد کس طرح ناگوار باتوں کو برداشت کر لیتے ہیں، کتنے کڑوے گھونٹ پی جاتے ہیں، کتنے صدمے برداشت کر لیتے ہیں، وہ جلد اشتعال میں نہیں آتے، آپے سے باہر نہیں ہوتے، سماج میں نیک انسان کی کتنی قدر پائی جاتی ہے، شرافت کی کتنی قدر ہے، اس کو لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں، احسان کو وہ سماج کتنا مانتا ہے، ظلم سے اس کے اندر کتنی نفرت ہے؟

کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ (خواہ وہ دنیا کا قدیم سماج ہو یا جدید سماج ہو) یہ ہے کہ اس کے اندر ظلم کا مزاج پیدا ہو جائے، پھر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس ظلم کو ناپسند کرنے والے اس معاشرہ میں انگلیوں پر بھی گنے جاسکتے ہوں، دور بین تو دور بین، خوردبین سے بھی ان کو دیکھا نہ جاسکتا ہو، پورے سماج میں چند درجن آدمی بھی ایسے نہ ہوں جو اس ظلم کو، اس سفاکی کو، اس قساوت اور سنگدلی کو، کمزوروں پر دست درازی کو ناپسند کرتے ہوں اور اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کرتے ہوں، گھر بیٹھ کر ناپسند کرنے والے تو مل جائیں گے، جو چار چھ آدمیوں کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے، بڑے خطرہ کی علامت ہے، لیکن اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کریں اور اس کو لے کر میدان میں آجائیں، ایسے افراد کی جب کسی سماج میں، کسی معاشرہ میں کمی ہوتی ہے تو اس سماج، اس معاشرہ اور اس سوسائٹی کو کوئی طاقت نہیں بچا سکتی ہے، جب کسی معاشرہ میں ظلم پھیلنے لگا ہو اور پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہو، جب ظلم کے لیے یہ معیار بن گیا ہو کہ ظالم کون ہے؟ ظالم کی قومیت کیا ہے؟ ظالم کا فرقہ کیا ہے؟ ظالم کی زبان کیا ہے؟ ظالم کس برادری سے تعلق رکھتا ہے؟ تو انسانیت کے لیے ایک عظیم خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، جب انسانیت کو اس طرح خانوں میں بانٹا جانے لگے، اور ظالم کی بھی قومیت دیکھی جانے لگے، جب اس کا مذہب پوچھا جانے لگے، جب آدمی اخبار میں کسی فساد یا کسی ظلم و زیادتی کی خبر دیکھے تو پہلے اس کی نگاہیں یہ تلاش کریں کہ کس فرقہ کی طرف سے یہ بات شروع ہوئی، اس

میں نقصان کس کو پہنچا؟ جب ظلم کے ناپنے اور ظالم ہونے کا فیصلہ کرنے کا یہ پیمانہ بن جاتا ہے کہ وہ کس قوم، فرقہ طبقہ و برادری سے تعلق رکھتا ہے تو اس وقت معاشرہ کو کوئی طاقت، کوئی ذہانت، کوئی سرمایہ اور بڑے سے بڑے منصوبے بچا نہیں سکتے۔

اسلام سے پہلے عربوں کا ایک اصول اور مقولہ تھا جس نے محاورہ کی شکل اختیار کر لی تھی "اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو، چاہے مظلوم"، اور جاہلیت (اسلام سے پہلے) کا عرب اسی اصول پر چل رہا تھا، وہ گویا ایک رہنما اصول تھا، اس نے مذہبی تعلیم کی حیثیت اختیار کر لی تھی، اور یہ بات ایسی مشہور تھی کہ کسی کے سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی مجلس میں فرمایا کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو، چاہے مظلوم ہو"، عربوں کے لیے یہ ایسی جانی بوجھی حقیقت اور روزمرہ کی بدیہی بات تھی کہ اس پر سکوت طاری ہو جانا چاہیے، پھر اللہ کا رسول کہہ رہا تھا، جو غلط بات نہیں کہہ سکتا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی جو تربیت کی تھی اور ان کا جو ذہن بنایا تھا وہ ذہن اس کو ہضم نہیں کر سکا، انہوں نے عرض کیا:

ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالماً (ہم مظلوم کی مدد تو کریں، لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں) سوسائٹی اور معاشرہ کی جو سب سے مستحکم بنیاد ہے اور جس پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ ایسی ہی تربیت ہے کہ اس کا ذوق سلیم، بلکہ اس کا قلب سلیم (ذوق سلیم نے بارہا دھوکہ کھایا، لیکن قلب سلیم دھوکہ نہیں کھاتا) اس کا قلب سلیم اس پر جاگ جائے، چوکنا ہو جائے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ معاشرہ میں ظلم ہوتا رہے، بڑھتا اور پنپتا رہے؟

یہ اخلاقی تربیت اور اس کی کامیابی کا آخری نمونہ ہے، دنیا کی تاریخ میں ایسی تربیت کی مثال ملنی مشکل ہے کہ ایک طرف صحابہ کرامؓ اطاعت و انقیاد کا بے مثال نمونہ تھے، وہ آنحضرت ﷺ پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ہمارا انجام کیا ہوگا؟

پروانے شمع پر گرتے ہیں اور جان دیتے ہیں اور انجام نہیں سوچتے، صحابہ کی جماعت رسول ﷺ کے کہنے کے بعد پھر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی تھی، لیکن اب اس کے اندر ایسا انقلاب آچکا تھا، معاشرہ کو ایسی مستحکم، ایسی بلند اور ایسی اصولی بنیاد پر اٹھایا گیا تھا کہ جب آپ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو، چاہے مظلوم، تو صحابہ کرامؓ تڑپ اٹھے اور پورے ادب سے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اب تک ہمیں تعلیم دی تھی کہ ہم مظلوم کی مدد کریں اور ظالم کا ساتھ نہ دیں، کیا ہم اپنی قوت سماعت پر شک کریں، شاید ہمارے کانوں نے اسے صحیح نہ سنا ہو، آپؐ فرمائیں کہ ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ظالم کی بھی مدد ہوتی ہے، مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اس پر ظلم نہ ہونے دو، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، اس کو ظلم نہ کرنے دو۔

یہ وہ چیز ہے جو انسانی معاشرہ کو بچانے والی ہے کہ بلا تفریق مذہب وملت، بلا تفریق قومیت، بلا تفریق ذات برادری، اپنے تعلقات کو بالکل نظر انداز اور مفادات کو بالکل فراموش کر کے یہ نہ دیکھا جائے کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ ظالم کوئی بھی ہو اپنی قوم کو محبوب ترین فرد ہو، قائد ہو، رہنما ہو، اس کو ظلم سے روکا جائے، اگر معاشرہ میں یہ اخلاقی جرأت، یہ غیر جانبداری اور خلوص کی یہ طاقت ہے تو معاشرہ بچ سکتا ہے، اور اگر یہ نہیں ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس معاشرہ کو نہیں بچا سکتی، آج ہندوستان میں کمی اسی چیز کی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ سے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

جب کسی انسانی نسل پر کسی دور میں اخلاقی گراوٹ کا ایسا دورہ پڑتا ہے یا وہ کسی انسانی سازش یا کسی انتشار پسند طاقت کا شکار ہوتی ہے اس وقت دو طبقے میدان میں آتے ہیں، ایک دانشوروں کا طبقہ اور ایک مذہبی انسانوں کا طبقہ، یہ دو طبقے ہیں جن میں بگاڑ (Corruption) سب سے اخیر میں داخل ہوتا ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے، قیاس بھی یہی چاہتا ہے اور عمل

سلیم (Common Sense) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ سب سے اخیر میں جس طبقہ میں فساد داخل ہوتا ہے اور خرابی آتی ہے وہ مذہبی آدمیوں کا طبقہ ہے، اس کے بعد دانشوروں کا طبقہ ہے، لیکن جب دانشوروں میں مذہبی انسانوں میں بھی بگاڑ (Corruption) آجائے تو پھر اس معاشرہ کا (یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا حافظ ہے، خدا حافظ ہو تو اطمینان ہی اطمینان ہے) لیکن پھر اس معاشرہ کو کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔

اس وقت ضرورت ہے کہ دانشور اور مذہبی انسان میدان میں آئیں، اس وقت ضرورت ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں سے، ہماری دانش گاہوں سے افراد نکلیں اور معاشرہ کو بچانے کی کوشش کریں، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کا مؤرخ جب اس معاشرہ کی تاریخ لکھے گا، جس میں ہم اور آپ سانس لے رہے ہیں کہیں یہ نہ لکھے کہ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب ملک میں مسلم یونیورسٹی موجود تھی، دارالعلوم دیوبند موجود تھا، ندوۃ العلماء موجود تھا اور جامعہ ملیہ موجود تھی، ان کی موجودگی بلکہ ان کی دیوار کے نیچے اور ان کے سایہ میں سب کچھ ہو رہا تھا، اس وقت ضرورت یہ ہے کہ آپ میدان میں آئیں اور بگاڑ کا، بے اصولی کا، بددیانتی کا، رشوت خوری اور ذخیرہ اندوزی کا، اقربا نوازی اور خویش پروری کا، سنگدلی کا اور (مجھے معاف کریں) سب سے بڑھ کر سفاکی اور درندگی کا جو دھارا بہہ رہا ہے اور ملک تباہی و بربادی کے جس رخ پر جا رہا ہے، اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔

ایسے جوانمردوں کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ان کے اندر اخلاقی جرأت ہو اور وہ بے لوث ہوں، وہ اس معاشرہ کو دینے کے لیے آئیں، لینے کے لئے نہ آئیں، اس بگڑے ہوئے نظام سے فائدہ اٹھانے کے لئے نہ آئیں، بلکہ ان کی شان وہ ہو جو ایرانی شاعر عرفی نے بیان کی ہے ؎

عدیلِ ہمت ساقیست فطرتِ عرفی
کہ حاتم و گراں و گدائے خویشتن است

ان لوگوں کی جو ایسے بحران (Crisis) کے موقع پر میدان میں آتے ہیں اور پورے معاشرہ کو اور پوری قوم کو موت کے منھ سے نکال دیتے ہیں ان کی تعریف یہ ہے کہ وہ ساقی کی فطرت اور مزاج رکھتے ہیں، ساقی سب کو پلاتا ہے اور خود نہیں پیتا، یہ مرحلہ بہت مشکل ہے اور دل پر پتھر رکھے بغیر طے نہیں ہوسکتا لیکن اس کے بغیر کام نہیں چلتا، میں اپنے عزیز طلبہ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آج ہندوستان میں عزت کا مقام بھی حاصل ہوگا جب آپ اس ملک کو بچانے کی مخلصانہ، جاں فروشانہ، بے غرضانہ اور اخیر میں کہتا ہوں کہ مجنونانہ کوشش کریں گے، کسی قوم کو، کسی جماعت کو عزت کا مقام اسی وقت ملتا ہے جب وہ کسی کو فائدہ پہنچائے اور خود فائدہ نہ اٹھائے، جب وہ اپنا دامن جھاڑ دے اور دوسروں کی جھولی بھر دے، وہ اپنے گھر میں اندھیرا پسند کرے اور دوسروں کے گھر میں چراغ جلائے، جب وہ اپنے بچوں کو بھوکا سلائے حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کی طرح مہمانوں کو شکم سیر کر کے اٹھائے، آپ تاریخ پڑھیں تو آپ پر بہت سے حقائق کھلیں گے، اور عبرت و موعظت کا بڑا سامان ملے گا، لیکن افسوس ہے کہ تاریخی واقعات کی تہہ میں اور انقلابات سلطنت کے پس پردہ جو حقائق (Factors) کام کرتے ہیں، جو مخفی طاقتیں کام کرتی ہیں، جو وقت کی رفتار بدل دیتی ہیں، کسی ملک کی قسمت بدل دیتی ہیں، ہمارے مؤرخوں کی نگاہ وہاں تک نہیں جاتی، وہ زیادہ تر یہی لکھتے ہیں کہ فلاں بادشاہ آیا اور فلاں بادشاہ گیا، فلاں نے فلاں ملک پر حملہ کیا اور فتحیاب ہوا، اور فلاں نے شکست کھائی، لیکن اس کے پیچھے کیا طاقتیں کام کر رہی تھیں؟ حقیقی اسباب کیا تھے؟ پھر اسباب کے پیچھے اسباب ہوتے ہیں، جیسے مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ گرمی کا زمانہ ہے اور ایک شخص پنکھا جھل رہا ہے، تو کوتاہ بین یہ کہے گا کہ یہ ہوا اس پنکھے کی وجہ سے آرہی ہے، لیکن جس کی نظر اور گہری ہوگی وہ کہے گا کہ نہیں، اصل میں اس ہاتھ کا کارنامہ ہے جو اس کو ہلا رہا ہے، پنکھا زمین پر رکھ دو تو ہوا نہیں آئے گی، اس سے بھی جس کی گہری نظر ہے وہ کہے گا کہ نہیں، یہ ہاتھ بھی نہیں، بلکہ انسان کا ارادہ ہے، اس کی نیک

نیتی اور خدمت کرنے کا جذبہ اصل میں اس کا سرچشمہ ہے، اگر کسی کی نظر اور گہری ہے تو وہ کہے گا کہ نہیں، یہ نہ پنکھے کا کارنامہ ہے نہ ہاتھ کافی ہے، ہوا ضروری تھی، یہ ہوا ہے جو فضا میں ہے، یہ ہوا اصل میں محسن ہے، لیکن جس کی نظر اس سے بھی آگے ہے وہ کہے گا نہیں، اس ہوا کا جو خالق ہے، اس ہوا کو جو حکم دینے والا ہے، جس نے اس کو طاقت دی ہے، اور آزادی بخشی ہے کہ وہ چلے، وہ ہے محسن حقیقی، تاریخ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ واقعات کے پیچھے اسباب ہوتے ہیں، ان اسباب کے پیچھے دوسرے اسباب ہوتے ہیں، اور ان اسباب کے درمیان رشتہ ہوتا ہے، آپ جو یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی سدھار پیدا ہوا اور کوئی سماج موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہونے کے بعد اچانک تازہ دم ہو کر اٹھا اور اس نے پھر زندگی کا سفر شروع کیا اور اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا شروع کیا، اس کے پیچھے کسی ایسی جماعت، کچھ ایسے افراد کا ہاتھ ہوتا ہے جو اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالتے ہیں اور جو اپنے نفع سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

کسی ایسے ملک میں جیسے کہ ہندوستان ہے جو مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے، مختلف قوموں کا وطن ہے، اور یہاں کی ایک تاریخ ہے، یہاں کچھ غلط فہمیاں اور تلخیاں رہی ہیں، کچھ سیاسی کشمکش رہی ہے، وہاں موجودہ حالات میں (میں آپ سے صفائی کے ساتھ کہتا ہوں) کم سے کم مسلمانوں کے لیے کوئی راستہ عزت حاصل کرنے کا نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ اس ملک کی اخلاقی قیادت کا جھنڈا بلند کریں اور اس ملک کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کریں کہ ملک کو بچانے کے لئے اپنے کو خطرہ میں ڈال سکتے ہیں اور اس ملک کو بچانے میں ان کی کوئی گروہی و مذہبی غرض، قومی غرض یا انفرادی غرض نہیں ہے، وہ اپنی کوششوں کا اجر صرف خدا سے چاہتے ہیں، وہ ایک عقیدہ اور جذبہ کے تحت میدان میں آتے ہیں کہ ملک امانت ہے، اس ملک کے باشندے خدا کے پیدا کئے ہوئے انسان ہیں، ان کے ساتھ ہمیں رہنا ہے، اگر یہ نہ ہوں گے تو ہم بھی نہیں ہوں گے۔

اس وقت ہندوستان میں یہ موڑ آ گیا ہے کہ پڑھے لکھوں کی جماعت، دانشوروں کی جماعت، ہماری جامعات اور دانش گاہوں کے فضلاء کی جماعت میدان میں آئے، اس وقت میدان دانشوروں کا ہے، مذہبی آدمیوں کا اور ایسے بے لاگ انسانوں کا ہے جو سیاسی پارٹیوں اور سیاسی مفادات سے بالکل آنکھیں بند کرلیں، اس سے کوئی مطلب نہ رکھیں کہ ایسا کرنے سے ہماری پارٹی پاور میں آئے گی اور ہمیں حکومت ملے گی، ایسی مثالیں بھی تاریخ میں ملتی ہیں کہ جب موقع آیا انعام ملنے کا اور جب حکومت تھالی میں رکھ کر پیش کی جانے لگی تو اللہ کے بندوں نے کہا کہ ہم نے اس لئے کام نہیں کیا تھا، ہم نے تو ہمدردی میں کیا تھا، خلوص کے ساتھ کیا تھا، خدا کی خوشنودی کے لئے کیا تھا، ہمیں اس کا انعام نہیں لینا ہے۔

حضرات! یہ حقیقت ہے جسے ہمارے نوجوانوں کو خاص طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ یہ بڑا اہم، بڑا قیمتی وقت ہے، ایسے زریں مواقع اقوام وملل کی تاریخ میں ملکوں کی تاریخ میں کبھی صدیوں کے بعد آتے ہیں، یہ ایک زریں موقع خدا کی طرف سے ہم کو اور آپ کو دیا گیا ہے، خدا کا شکر ہے، اس کا احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس دور میں پیدا کیا، لوگ تو ہمدردی کریں گے، کہیں گے کہ ہم کاش ایسے دور میں نہ پیدا ہوئے ہوتے، لیکن جوانمردوں اور بلند ہمت لوگوں کے سوچنے کا طریقہ یہ نہیں، میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، یہاں کے مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں، میں یہاں کے تمام خیر پسند عناصر کو اور تمام انسانیت دوست جماعتوں اور دماغوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ خدا نے ان کو ایک ایسے دور میں پیدا کیا اور ایک ایسا موقع عطا کیا جسے ہمارے اسلاف بڑی بڑی عبادتوں سے حاصل نہیں کر سکتے تھے، وہ رات رات بھر جاگ کر نہیں حاصل کر سکتے تھے، وہ دن بھر روزہ رکھ کر نہیں حاصل کر سکتے تھے، آج وہ موقع ہم کو حاصل ہے کہ ہم آج انسانیت کی بے لوث خدمت کرکے اور ملک کو بچانے کے لیے جان لڑا کر، اس ملک کو خطرہ کے دہانہ سے، اژدہے کے منہ سے نکال سکتے ہیں۔

میں بغیر کسی معذرت کے صاف کہتا ہوں کہ میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ ہمارا ہندوستانی معاشرہ کبھی ایسے خطرہ سے دو چار ہوا ہو جیسا کہ اس دور میں، اس تیس پینتیس برس کے اندر ہوا ہے، میں بالکل اس پر معذرت نہیں کروں گا، ہندوستان کا جسم بار ہا زار و نزار ہوا، ہندوستان نے شکست کھائی، ہندوستان پر برطانیہ کی بدیسی حکومت رہی، یہ سب تاریخی واقعات ہیں، لیکن ہندوستان کی روح اور ہندوستان کا ضمیر اس طرح سے کمزور نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہو، ہندوستان کی تاریخ میں کبھی ایسا دور نہیں آیا کہ برائی کو اور ظلم کو اس آسانی کے ساتھ گوارہ کر لیا گیا ہو، جس آسانی کے ساتھ آج گوارہ کیا جا رہا ہے، بلکہ اس کو فلسفہ بنایا جا رہا ہے، اس کے ذریعہ سے جماعتوں کو مستحکم اور منظم کیا جا رہا ہے، اس کے ذریعہ ہندوستان میں حکومت کا استحقاق ثابت کیا جا رہا ہے، ہندوستان سیکڑوں مصیبتوں کا شکار ہوا ہے، لیکن ضمیر انسانی ہندوستان کا (Conscience) زندہ رہا، اس نے اپنا کام کرنا، اپنا (Function) کبھی نہیں چھوڑا، اس وقت جو اصل خطرے کی چیز ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے کہ دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگی ہی عبارت ہے تیرے جینے سے

مجھے یہ ڈر ہے کہ ہندوستان کا ضمیر کہیں مر نہ گیا ہو، اس سے بڑھ کر کوئی خطرہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اتنے بڑے ملک میں کسی دل دردمند کی کراہ سننے میں نہیں آتی کہ تڑپ کر کسی نے فریاد کی ہو اور قلندرانہ شان سے میدان میں آ گیا ہو ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

لیڈر اپنی جگہ پر، سیاسی جماعتیں اپنی جگہ پر، دانش گاہیں اپنی جگہ پر، لائبریریاں اپنی جگہ پر، خطیب و مقرر اپنی جگہ پر، ذہین (Intelligent) بلکہ (Geneus) قسم کے انسان اپنی

جگہ پر، لیکن وہ ضمیر کہاں ہے جو معاشرہ کی اس پستی پر، انسانیت کی اس پستی پر خون کے آنسو روئے؟ انسانیت کی حفاظت اسی ضمیر نے کی ہے، تفنگ وشمشیر نے نہیں کی ہے، سپاہ اور فوج نے نہیں کی ہے، شاہی خزانوں اور دولت کی بہتات نے نہیں کی ہے، علم انسانی کی ترقی نے نہیں کی ہے، ٹکنالوجی اور سائنس نے نہیں کی ہے، بلکہ ایک ضمیر انسانی ہے جو سب پر غالب آیا، جہاں وسائل نہیں تھے، اس نے وہاں وسائل پیدا کر لئے، آپ دیکھئے جب کسی کے دل پر چوٹ لگتی ہے اور جب کوئی بیقرار ہوتا ہے وہ کیا کر لیتا ہے؟ ایک آدمی کے پاس وسائل کا ڈھیر ہے لیکن اس کے دل میں درد نہیں ہے اور کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے تو وقت گزر جاتا ہے اور وہ کچھ نہیں کرتا، مجھے جو خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی معاشرہ کا ضمیر تعطل کا شکار ہو گیا ہے، اس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، یہ خطرہ کی بات ہے، اس لئے کہ انسانیت کی آس اسی ضمیر سے ہے، اس دنیا میں جو کچھ خیر وفلاح کی امید ہے وہ اسی ضمیر سے ہے، جب یہ ضمیر بیدار ہوتا ہے تو اس کو خدا کی طرف سے روشنی ملتی ہے پیغمبروں کی طرف سے اس کو غذا ملتی ہے، اور یہ دولت پرستی کا شکار نہیں ہوتا، طاقت پرستی کا شکار نہیں ہوتا، تو پھر یہ ضمیر وہ کام کرتا ہے جو بڑی سلطنتوں سے اور بڑی بڑی فوجوں سے نہیں ہو سکا، دیکھئے کچھ زندہ ضمیروں نے، کچھ صالح ضمیروں نے، کچھ دردمند ضمیروں نے اپنے اپنے زمانہ میں کیا کام کر لیا، یہ بزرگان دین کیا رکھتے تھے، ان کے پاس کیا سرمایہ تھا، لیکن انہوں نے ایک نیا معاشرہ پیدا کر دیا، ایک نیا دوران کی ذات سے شروع ہو گیا۔

آج ہمیں جس چیز کا شکوہ ہے وہ یہ کہ ہر طرح کی آوازیں سننے میں آتی ہیں، ہر طرح کے اعلانات ہمارے سامنے آتے ہیں، لیکن انسانیت کی پستی اور انسانی جان ومال اور انسانی حقوق کی پامالی پر کوئی رونے والی آنکھ اور کوئی درد محسوس کرنے والا دل نظر نہیں آتا، ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی دانش گاہوں میں جہاں سب کچھ سکھایا پڑھایا جاتا ہے وہیں ایسے لوگ ملنے چاہئیں،

وہیں ایسے لوگوں کو ڈھونڈ نا چاہیے، چند نوجوان ہی سہی جو اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں، جیسے کہ ایک پیغمبر نے اسی طرح کے ایک بگڑے ہوئے معاشرہ میں اصلاح کا کام شروع کیا تو ان کی قوم نے طعنہ دیا تھا، انہوں نے کہا: "**لقد کنت فینا مرجوّا قبل ھذا**" (اے صالح! تم سے تو بڑی امیدیں وابستہ تھیں) تم تو بڑے (Promising) آدمی تھے، تم سے تو بڑی بڑی امیدیں توقعات قائم تھیں کہ تم اپنے گھر کو خوشحال بناؤ گے، تم اپنی قوم کا نام روشن کروگے، اپنے وطن کا نام روشن کروگے، یہ تم کیا لے بیٹھے، تم نے جھگڑا کہاں شروع کردیا، قوم کے نزدیک یہ جھگڑا تھا، لیکن انسانیت کی ڈوبتی کشتی ہمیشہ انہیں لوگوں نے بچائی ہے جنہوں نے اپنے مفاد کو نہیں دیکھا، معاشرہ کے مفاد کو دیکھا، لیکن جس قوم میں نام لینے کے لیے بھی ایسے چند آدمی نہ پائے جائیں جو کسی بڑے سے بڑے عہدہ اور منصب کو اپنے مقصد کے راستہ میں خاطر میں نہ لائیں تو ایسی جماعت اور ایسی قوم کے متعلق کوئی بڑی امید قائم نہیں کی جاسکتی، اور اس کا کوئی وزن نہیں، خدا کی میزان میں بھی اور انسانیت کی میزان میں بھی، ایسے صاحب عزیمت اور باہمت لوگ کم سے کم مسلمانوں میں ہر دور میں پائے گئے ہیں جنہوں نے سلطنتوں اور بادشاہوں کو منہ نہیں لگایا، آج پھر ان کی ضرورت ہے، کسی تعداد میں سہی، لیکن ایسے ہونے چاہئیں جو یہ کہہ سکیں ؎

برو ایں دام دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

آج مصیبت یہ آگئی ہے کہ بار بار کے تجربوں سے مزاج دانوں اور تجربہ کاروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس معاشرہ میں ہر شخص کی ایک قیمت ہے، اگر وہ اتنے دام میں نہیں بک سکے گا تو اتنے دام میں ضرور بک جائے گا، لیکن خدا کے کچھ بندے ہمیشہ رہے اور رہنے چاہئیں جو کسی دام میں بھی نہ بک سکیں، بڑے سے بڑا سنہرا جال آپ ان کے سامنے ڈال کر دیکھئے کہیں ان

کے تصور میں یہ بھی آ جائے کہ اعزاز قبول کرلوں تو ان کی راتوں کی نیند اڑ جائے، میں کہتا ہوں کہ خدا کے فضل سے ابھی ایسے لوگ اس دنیا میں ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ابھی ہماری نسل میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ بڑے سے بڑے بڑا عہدہ اور منصب ان کو اپنے اس جادۂ حق سے اور مقام سے جس کو انھوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اپنے اس بوریائے فقر سے، اپنے خاک کی اس ڈھیر سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتا، آج بھی خدا کے فضل سے ایسے لوگ موجود ہیں، اس لئے ہر شخص کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ کسی نہ کسی قیمت میں بک جائے گا، یہ ہما سہی لیکن ہما کے بھی شکاری ہوتے ہیں، یہ ہما بھی دام میں آ جائے گی غلط ہے، ایسی ہما انسانیت کی آبرو ہے، آپ سے میں اس لیے نہیں کہتا کہ آپ ان کو تلاش کریں، میں کہتا ہوں کہ آپ وہ ہما بنیں، جس کو بڑے سے بڑا شکاری بھی شکار نہیں کرسکتا، پھر آپ وہ ہما بنیں گے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے گی اس کے سر پر بادشاہی کا تاج رکھا جائے گا، وہ ہما بن جائیں گے، آپ جس کے پاس سے گزر جائیں اسے عزت ملے گی، طاقت ملے گی، اس کو اعتماد ملے گا، ایمان ملے گا۔

آج ہمارے ملک اور ہمارے جاں بلب معاشرہ کو بڑے بڑے فاضلوں، بڑے عالموں اور بڑے دانشوروں کی ایسی ضرورت نہیں، جتنی صحیح اور دلیر انسانوں کی، قربانی کے لیے تیار ہونے والے انسانوں کی ضرورت ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ مسلم یونیورسٹی جس نے کبھی اس ملت اور اس ملک کو محمد علی جوہر جیسا فرزند دیا ہے، جنہوں نے اس ملک میں صحیح طور پر جمہوری زندگی کا آغاز کیا، یہاں عوامی سیاست درحقیقت مولانا محمد علی نے شروع کی، وہی گاندھی جی کو میدان میں لائے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، ان سے پہلے سیاست دانشوروں اور دستور کی سمجھ

رکھنے والوں میں تھی، دانشوروں کا ایک بہت اونچا طبقہ تھا جو سیاسی باتیں کرتا تھا، بازار میں سیاست کو لانے والے، پارکوں میں سیاست کو لانے والے اور پبلک میں سیاست کو لانے والے محمد علی اور شوکت علی ہیں، وہ آپ کی اسی یونیورسٹی کے فرزند تھے، جنھوں نے اس ملک میں حریت پسندی اور قومی ودینی غیرت کی آگ لگادی، اور جنھوں نے تحریک خلافت شروع کی، اور پھر تحریک آزادی میں ہراول دستہ بلکہ قائد کا کردار ادا کیا، آج پھر ہندوستان کا معاشرہ طالب ہے، اس نے اپنا دامن پھیلا رکھا ہے، میں اس کی طرف سے ترجمانی کررہا ہوں کہ ہمارا معاشرہ پھر آج آپ سے وقت کا سپاہی چاہتا ہے، ہر وقت کا ایک سپاہی ہوتا ہے، ہر وقت کی ایک دعوت ہوتی ہے، ہر وقت کی ایک ضرورت ہوتی ہے، جب ضرورت تھی تحریک آزادی کے سورماؤں کی، جب ضرورت تھی حریت کے صور پھونکنے والے سرفروشوں کی، تو اس وقت علی برادران میدان میں آئے، آج ملک کو اخلاقی زوال سے بچانے والوں کی ضرورت ہے، آج اس ملک میں ایثار وقربانی کا ایک مثالی نمونہ قائم کرنے والوں کی ضرورت ہے، آج اس ملک میں اصحاب کہف جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہے، جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"إنهم فتية آمنوا بربهم وزدناهم هدىً وربطنا علىٰ قلوبهم إذ قاموا فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعو من دونه اِلٰها لقد قلنا إذا شططا"
(سورہ کہف: ۱۴-۱۳)

(وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کردیا اور ان کے دلوں کی (صبر واستقامت سے) بندش کردی، وہ جب (راہ حق) میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے (صاف صاف) کہہ دیا: ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو یہ بڑی ہی بیجا بات ہوگی)۔

آج ہمارے معاشرہ کو ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو میدان میں آئیں اور ملک کو اخلاقی زوال سے بچائیں، اخلاقی زوال اپنی آخری حد تک پہنچ گیا ہے، ایک آدمی کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو یہ ایک ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ اس کے قرب و جوار میں کہرام مچ جائے، لوگ جمع ہو جائیں، مائیں اپنے گھروں سے نکل آئیں، اپنے بچوں کو چھوڑ دیں، کوئی پانی لے کر آئے، کوئی دوا لے کر آئے کہ ہمارے بھائی معلوم نہیں کہاں جا رہے تھے حادثہ کا شکار ہو گئے، لیکن اس ملک کی اخلاقی گراوٹ کا حال یہ ہے کہ اس وقت ان مرے ہوئے، کچلے ہوئے انسانوں کے ہاتھوں سے گھڑیاں نکال لیتے ہیں، اور ان کے پرس کی تلاشی لیتے ہیں، اس وقت بجائے اس کے کہ ان خشک لبوں میں پانی کا ایک قطرہ ڈالیں، وہ ظالم ان کی قیمتی چیزیں لوٹنے میں لگ جاتے ہیں، آپ یہ واقعات تاریخ میں پڑھتے تو یقین نہ کرتے، اور دوسرے ملک کے لوگ یقین نہیں کریں گے، لیکن کیا کریں، ریلوں میں بارہا ایسے حادثے پیش آتے ہیں اور قریب کی دیہاتی آبادی ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا سب کچھ لے لینا لیکن کسی طرح مجھے اس شکنجہ سے نکال دو، تو انہوں نے اس کے ہاتھ سے گھڑی چھین لی، اور اس کی جیب سے کچھ روپئے نکال لئے اور اس کو مرتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے، جو معاشرہ اس سنگدلی کی حد تک پہنچ گیا ہو اس معاشرہ کی کسی چیز کو دیکھ کر بھلا دل خوش ہو سکتا ہے، اس سے کچھ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ معاشرہ دنیا میں باقی رہے گا، کوئی بڑا قیادت کا رول ادا کرے گا؟

خدا کو انسان کی جو چیز سب سے زیادہ ناپسند ہے، جس پر اس کی غیرت کو جوش آتا ہے وہ ظلم ہے، سب کچھ وہ معاف کر سکتا ہے، عقائد کی حد تک قرآن اعلان کرتا ہے کہ شرک معاف نہیں کرے گا اور انسانوں کی قسمتوں کا جہاں تک تعلق ہے، سلطنتوں، تہذیبوں اور معاشرے کی قسمتوں کا جہاں تک تعلق ہے، ظلم ان کے لیے پیغام موت ہے، ظلم کے بعد ان کو ڈھیل نہیں دی جاتی، تو میرے عزیزو! ہندو مسلمان نوجوانو! آپ اس معاشرہ کو ظلم سے بچانے کے لیے میدان

میں آئیں، دیہاتوں اور شہروں میں جائیں اور پکار لگائیں کہ یہ ظلم نہیں ہونا چاہیے، یہ فسادات نہیں ہونے چاہئیں، اس میں بے گناہ مارے جاتے ہیں۔

میں نے کئی مرتبہ اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک مسافر بڑے ارمانوں کے ساتھ بمبئی سے آرہا تھا، تھوڑی سی پونجی بچا کر، سنا ہے کہ ماں بیمار ہے، میں جاتے ہی دوا لاؤں گا، وہ میری صورت دیکھ کر خوش ہوں گی، ان کے اندر طاقت آجائیگی، وہ آنکھیں کھول دیں گی، ابھی وہ اسٹیشن سے چلا ہی تھا کہ اسے چھرا بھونک دیا گیا، ادھر ماں تڑپ رہی ہے، اور یہاں بیٹے نے جان دیدی، جس معاشرے میں یہ واقعات ہوں، اس معاسرہ میں کیا کوئی بھی ترقی، اقتصادی، سیاسی اور علمی ترقی خوشی کی بات ہوسکتی ہے؟ اس ملک میں جو یونیورسٹیوں کی تعداد بتلائی جاتی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کے دس گنا یونیورسٹیاں ہوجائیں جب بھی اس معاشرے کے لیے کوئی خوشی اور اطمینان کی بات نہیں، کوئی عزت کی بات نہیں، متوسط پڑھے لکھے لوگ ہوں، مگر ظلم سے نفرت ہو، گناہ سے نفرت ہو، Corruption سے نفرت ہو، وہ معاشرہ زندہ ہے، طاقتور ہے، اور ممکن ہے کہ دوسری قوموں کی قیادت کرے۔

میرے عزیز بھائیو! میرے محترم اساتذہ اور فضلائ! میں معافی چاہتا ہوں ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اگر میں نے اپنے حدود سے تجاوز کیا ہو، اگر میں نے بعض تلخ حقیقتیں تلخ انداز میں کہی ہوں تو مجھے معاف فرمائیں کہ جب حقائق کی تلخی حد سے بڑھ جاتی ہے تو کوئی شیریں کلامی اسے شیریں نہیں بنا سکتی، وہ فریب دہی ہوتی ہے، میں نے ایک تلخ حقیقت کو تلخ انداز میں کہا ہے، اس پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، ہماری سوسائٹی کا روگ یہ ہے کہ کوئی صاف بات کہتا نہیں، بہت دور چل کر، پارٹی اور اپنے فرقہ کو محفوظ رکھتے ہوئے، اس کو بچاتے ہوئے، ہزار

احتیاط کے ساتھ ایک بات ایسی کہی جاتی ہے کہ پھر کوئی پکڑ نہ سکے، ان کو پکڑ جانے کی فکر زیادتی ہوتی ہے، اور سوسائٹی کے تباہ ہونے کی فکر کم ہوتی ہے، لیکن جب آگ لگی ہو تو یہ تحفظات باقی نہیں رہتے، گفتگو کے آداب باقی نہیں رہتے، جب آگ لگ جاتی ہے تو پھر کسی زبان میں کیسے ہی بے ڈھنگے طریقہ سے کہا جاتا ہے، بچہ بھی بول اٹھتا ہے کہ آگ لگی ہے، اس وقت صورت حال یہی ہے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، اس وقت ہمارا معاشرہ کوہ آتش فشاں کے دہانہ پر پہنچ گیا ہے، اس وقت دانشوروں اور بے غرض انسانوں کا میدان میں آنا، اور حالات سے پنجہ آزمائی کرنا اور اپنا عملی نمونہ دنیا کے سامنے اور کم از کم ہندوستان کے سامنے پیش کرنا نہایت ضروری ہو گیا ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اس یونیورسٹی نے محمد علی اور شوکت علی کو پیدا کیا ہے، حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خاں کو پیدا کیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ یہ جامعہ اب بھی ایسے آدمیوں کو پیدا کر سکتی ہے اور اس میں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، میں آپ کے سامنے اقبال کا یہ شعر پڑھوں گا ؂

تو ہما کا ہے شکاری، ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

آپ مرغ و ماہی پر اپنی طاقتیں صرف نہ کریں، آپ نے اگر ایک چھوٹی سی چڑیا کا شکار کر بھی لیا کوئی فخر کی بات نہیں آپ کو سارا ہندوستان پیش نظر رکھنا چاہئے، اور آپ کو اپنی توانائی چھوٹے چھوٹے مسائل پر نہیں خرچ کرنا چاہیے، آپ کی طاقت بڑی قیمتی ہے، اس کا اصل مستحق آپ کا معاشرہ ہے، آپ کا یہ پورا عہد ہے، آپ کا یہ پورا ملک ہے، آپ کی ملت ہے، اس لیے آپ اپنے ساتھ بھی زیادتی کریں گے اور ملک کی بھی حق تلفی کریں گے اور ملت کی بھی حق تلفی کا ارتکاب کریں گے، اگر آپ نے چھوٹے چھوٹے مسائل میں اپنی طاقت صرف کر دی، یہ مسائل آپ کی عنقا شکار ہمت، آپ کی بلند نگاہی اور آپ کی اندرونی صلاحیتوں اور

جس ملت کی میراث آپ کو ملی ہے اور جس کتاب الٰہی کے آپ حامل ہیں، اس کے شایان نہیں ہیں، جس کی آیت پڑھ کر میں نے آپ کو سنائی ہے "**فلولا من القرون من قبلکم اولو بقیة ینھون عن الفساد فی الارض**" یعنی ان نسلوں میں ایسے کچھ بچے کچھے انسان تو ہوتے، دردمن انسان تو ہوتے، جو فساد سے لوگوں کو روکتے، منع کرتے، اگر وہ نہیں تھے تو ان قوموں کا تختہ الٹ دیا گیا، ان کی داستان بھی داستانوں میں نہیں رہی، وہ حرف غلط کی طرح تاریخ کے اوراق سے مٹا دیئے گئے، اور ہمیں اندیشہ ہے کہ ہندوستان کا یہ موجودہ معاشرہ خدانخواستہ کہیں ایسے ہی کسی انجام سے دوچار نہ ہو، اس لیے میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنی توانائی، اپنی ذہانت، اپنی قوت عمل، اپنی Energy اور اپنا Talent چھوٹے چھوٹے مسائل پر خرچ کرنے کے بجائے ہندوستان کو بچانے کے لئے اور ملت کو اس کی عزت کا مقام دلانے کے لئے صرف کریں۔

میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے پورے صبر وسکون کے ساتھ اور اس متانت و ثقافت کے ساتھ جو اس یونیورسٹی کی ہمیشہ روایت رہی ہے میری معروضات سنیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

***

05.11.2016